سورۃ الفجر

آیاتھا ۳۰ ۔ ۸۹ سورۃ الفجر مکیۃ ۱۰ ۔ رکوعھا ۱

یہ مکی ہے۔اس کی تیس آیات ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو نہایت مہربان اور ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

وَالۡفَجۡرِ ۙ﴿۱﴾ وَلَيَالٍ عَشۡرٍ ۙ﴿۲﴾

''قسم اس صبح کی اور ان (مقدس) دس راتوں کی''۔

اللہ تعالیٰ نے فجر کی قسم اٹھائی، یہاں پانچ قسمیں ہیں فجر کے بارے میں اختلاف ہے۔ایک قوم کا نقطہ نظر ہے کہ یہاں فجر سے مراد ہر روز دن سے ظلمت کا چھٹ جانا ہے؛ یہ حضرت علی شیر خدا، ابن زبیر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا نقطہ نظر ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے کہ اس سے مراد تمام دن ہے اس کو فجر سے تعبیر کیا کیونکہ یہ دن کا پہلا جز ہوتا ہے۔ ابن محیصن نے عطیہ سے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں: اس سے مراد محرم کے دن کی فجر ہے۔قتادہ نے بھی اس کی مثل کہا ہے کہ یہ محرم کے پہلے دن کی فجر ہے۔اس سے سال شروع ہوتا ہے۔ان سے یہ بھی مروی ہے کہ یہ صبح کی نماز ہے۔ابن جریج نے عطا سے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں کہ فجر سے مراد یوم نحر کی صبح ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہر دن کے لیے اس سے پہلی رات بنائی ہے مگر یوم نحر۔اس کے لیے صرف پہلی یا بعد والی رات نہیں بنائی کیونکہ یوم عرفہ کی دو راتیں ہیں۔اس کے قبل والی رات اور اس کے بعد والی رات۔جس نے یوم عرفہ کے بعد والی رات میں طلوع فجر تک مقام عرفات میں وقوف کو پالیا تو اس نے حج کو پالیا؛ یہ مجاہد کا قول ہے۔عکرمہ نے کہا: فجر سے مراد مزدلفہ کے دن فجر کا پھوٹنا ہے۔محمد بن کعب قرظی سے مروی ہے کہ فجر سے مراد دس دنوں کے آخری دن کی فجر ہے، جب تو مزدلفہ سے روانہ ہو۔ ضحاک نے کہا: ذی الحجہ کی فجر مراد ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دنوں کو اس کے ساتھ ملایا ہے ارشاد فرمایا: **وَلَيَالٍ عَشۡرٍ** یعنی ذی الحجہ کی دس راتیں؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: مسروق نے کہا: اس سے وہ دس راتیں مراد ہیں جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں فرمایا: **وَّ اَتۡمَمۡنٰهَا بِعَشۡرٍ** (الاعراف:142) اور ہم نے انہیں دس کے ساتھ مکمل کر دیا۔ یہ سال کے افضل ترین دن ہیں۔

ابو زبیر نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''**وَالۡفَجۡرِ ۙ﴿۱﴾ وَلَيَالٍ عَشۡرٍ ۙ﴿۲﴾**'' کہا: اس سے مراد دسویں ذی الحجہ کی فجر ہے'' اس قول کی بنیاد پر یہ دس راتیں ہیں کیونکہ یوم نحر کی رات بھی اس میں داخل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے خاص کیا کہ اسے اس آدمی کے لیے وقوف کا وقت بنا دیا جس نے یوم عرفہ کو وقوف نہ پایا تھا اسے نکرہ

ذکر کیا ہے اسے معرف ذکر نہیں کیا کیونکہ اسے غیر پر فضیلت حاصل ہے اگر اسے معرفہ ذکر کیا جاتا تو یہ اس فضیلت کی حامل نہ ہوتی جو فضیلت نکرہ میں ہوتی ہے تو جن چیزوں کی قسم اٹھائی گئی ہے ان میں سے اسے نکرہ ذکر کیا کیونکہ اس میں وہ فضیلت ہے جو غیر میں نہیں۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: یہ رمضان شریف کی آخری دس راتیں ہیں؛ یہ ضحاک نے کہا: حضرت ابن عباس، یمان اور طبری نے کہا: یہ محرم کا پہلا عشرہ ہے جس کا دسواں یوم عاشوراء ہوتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ مروی ہے کہ وہ اضافت کی صورت میں یہ پڑھتے وَلَيَالِ عَشْرٍ اس سے ان کی مراد دس دنوں کی راتیں ہیں۔

وَّالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ ۝۳

''اور قسم ہے جفت اور طاق راتوں کی''۔

شفع سے مراد دو اور وتر سے مراد فرد ہے اس میں اختلاف کیا گیا ہے۔ حضرت عمران بن حصین سے مرفوع حدیث مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''شفع اور وتر سے مراد نماز ہے نمازوں میں سے کچھ جفت ہیں اور کچھ طاق ہیں'' (1)۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''وَالْفَجْرِ ۝ وَلَيَالٍ عَشْرٍ ۝ سے مراد صبح اور ذی الحجہ کے دس دن ہیں۔ وتر سے مراد یوم عرفہ اور شفع سے مراد یوم نحر ہے''۔ یہ حضرت ابن عباس اور عکرمہ کا قول ہے؛ نحاس نے اسے پسند کیا ہے۔ کہا: ابو زبیر کی حضرت جابر رضی اللہ عنہما سے مروی جو حدیث ہے یہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ یہ اسناد کے اعتبار سے عمران بن حصین کی حدیث سے سند کے اعتبار سے زیادہ صحیح ہے۔ یوم عرفہ وتر ہے کیونکہ وہ نواں ہے اور یوم نحر شفع ہے کیونکہ وہ دسواں ہے۔ حضرت ابو ایوب سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ کے فرمان وَّالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ ۝ کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا: ''شفع سے مراد یوم عرفہ اور یوم نحر ہے اور وتر سے مراد یوم نحر کی رات ہے'' مجاہد اور حضرت ابن عباس نے بھی یہی کہا: شفع سے مراد اس کی مخلوق ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَّخَلَقْنٰكُمْ اَزْوَاجًا ۝ (النبا) اور ہم نے تمہیں جوڑا جوڑا بنایا۔ وتر سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ مجاہد سے پوچھا گیا کہ کیا آپ کسی سے روایت کرتے ہیں؟ کہا: ہاں۔ حضرت ابو سعید خدری سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے، اس کی مثل محمد بن سیرین، مسروق، ابو صالح اور قتادہ سے مروی ہے کہا: شفع سے مراد مخلوق ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ (الذاریات: 49) ہم نے ہر شئی کے جوڑے بنائے۔ کفر و ایمان، شقاوت و سعادت، ہدایت و گمراہی، نور و ظلمت، رات و دن، گرمی و سردی، سورج و چاند، موسم گرما، موسم سرما، آسمان و زمین، جن و انسان اور وتر سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝ (اخلاص) کہہ دیجئے: وہ اللہ ایک ہے وہ بے نیاز ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''شفع سے مراد صبح کی نماز اور وتر سے مراد مغرب کی نماز ہے''۔ ربیع بن انس اور ابو العالیہ نے کہا: اس سے مراد مغرب کی نماز ہے شفع سے مراد دو رکعتیں اور وتر سے مراد تیسری رکعت ہے۔ حضرت ابن زبیر نے کہا: شفع سے مراد منیٰ کے دو دن ہیں

1۔ جامع ترمذی، کتاب فضائل القرآن، باب ومن سورۃ الفجر، حدیث نمبر 3265، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

گیارہویں اور بارہویں اور تیرہویں کا دن وتر ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۚ وَ مَنْ تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ (البقرہ: 203) جو دو دنوں میں جلدی واپس چلا جائے تو اس پر کوئی گناہ نہیں اور جو اس سے تاخیر کرے تو اس پر بھی کوئی گناہ نہیں۔ ضحاک نے کہا: شفع سے مراد ذی الحجہ کے دس دن ہیں اور وتر سے مراد منیٰ کے تین دن ہیں؛ یہ عطا کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے شفع اور وتر سے مراد آدم وحوا ہیں کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام تنہا تھے تو انہیں ان کی بیوی کی وجہ سے جفت بنا دیا گیا پس وہ طاق کے بعد جفت بن گئے؛ اسے ابن ابی نجیح نے روایت کیا ہے۔ قشیری نے اسے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے: ایک روایت میں ہے شفع سے مراد حضرت آدم وحوا ہیں اور وتر سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: شفع اور وتر سے مراد مخلوق ہیں کیونکہ مخلوق جفت بھی ہے اور طاق بھی ہے گویا اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی قسم اٹھائی۔ اللہ تعالیٰ اپنے اسماء اور صفات کی قسم اٹھاتا ہے کیونکہ وہ انہیں جانتا ہے وہ اپنے افعال کی قسم اٹھاتا ہے کیونکہ وہ ان پر قادر ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ مَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَ الْاُنْثٰۤى ۙ (اللیل) اور جو دوسرے مذکر مونث پیدا کیے۔ وہ اپنے مفعولوں کی قسم اٹھاتا ہے اس کی صنعت میں عجائب ہیں، جس طرح فرمایا: وَ الشَّمْسِ وَ ضُحٰىهَا ۙ (الشمس: 1) وَ السَّمَآءِ وَ مَا بَنٰىهَا ۙ (الشمس) وَ السَّمَآءِ وَ الطَّارِقِ ۙ (الطارق) ایک قول یہ کیا گیا ہے: شفع سے مراد جنت کے درجات ہیں جو آٹھ ہیں وتر سے مراد جہنم کے گڑھے ہیں کیونکہ وہ سات ہیں؛ یہ حسین بن فضل کا قول ہے گویا جنت اور آگ کی قسم اٹھائی۔ ایک قول یہ کیا گیا: شفع سے مراد صفا اور مروہ ہے اور وتر سے مراد کعبہ ہے۔ مقاتل بن حیان نے کہا: شفع سے مراد دن اور راتیں ہیں اور وتر سے مراد وہ دن ہے جس کے بعد کوئی رات نہ ہو۔ یہ یوم قیامت ہے۔ سفیان بن عیینہ نے کہا: وتر سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے شفع سے مراد بھی وہی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ (المجادلہ: 7) تین افراد میں سرگوشی نہیں ہوتی مگر وہ چوتھا ہوتا ہے۔ ابو بکر وراق نے کہا: شفع سے مراد مخلوقات کے اوصاف کا تضاد ہے عزت، ذلت، قدرت، عجز، قوت، ضعف، علم، جہالت، زندگی، موت، بینائی، اندھا پن، سماعت، بہرا پن، گفتگو، گونگا پن اور وتر سے مراد اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں وہاں عزت تو ہے ذلت نہیں، قدرت تو ہے عجز نہیں، قوت تو ہے ضعف نہیں، علم تو ہے جہالت نہیں، زندگی تو ہے موت نہیں، بینائی تو ہے اندھا پن نہیں، گفتگو تو ہے گونگا پن نہیں، سماعت تو ہے بہرہ پن نہیں وغیرہ۔

حضرت حسن بصری نے کہا: شفع اور وتر سے مراد تمام اعداد ہیں کیونکہ کوئی بھی عدد ان سے خالی نہیں پس یہ حساب کی قسم اٹھانا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: شفع سے مراد مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کی مسجد ہے یہ دونوں حرم ہیں وتر سے مراد بیت المقدس کی مسجد ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: شفع سے مراد حج اور عمرہ کو ملاتا ہے یا حج کے ساتھ عمرہ سے لطف اندوز ہونا ہے یعنی حج قران اور حج تمتع۔ وتر سے مراد حج مفرد ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: شفع سے مراد حیوان ہے کیونکہ وہ مذکر و مونث ہوتا ہے وتر سے مراد جماد ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ شفع سے مراد ہے جو چیز بڑھتی ہے اور وتر سے مراد ہے جو چیز نہیں بڑھتی۔ اس کے لیے بھی کئی اقوال ہیں۔ حضرت ابن مسعود، آپ کے اصحاب، کسائی، حمزہ اور خلف نے وِتر پڑھا ہے جب کہ باقی قراء نے وَتر پڑھا ہے۔ یہ دونوں لغتیں ہیں دونوں کا معنی ایک ہی ہے۔ صحاح میں ہے: وِتر سے مراد فرد ہے اور وَتر سے مراد کینہ اور عداوت

ہے، یہ اہل عالیہ کی لغت ہے جہاں تک اہل حجاز کی لغت کا تعلق ہے وہ ان سے متضاد ہے جہاں تک بنو تمیم کا تعلق ہے دونوں میں کسرہ دیتے ہیں۔

وَالَّيْلِ إِذَا يَسْرِ ۝ هَلْ فِي ذٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِي حِجْرٍ ۝

''اور رات کی جب گزرنے لگے۔ یقیناً اس میں قسم ہے عقل مند کے لیے''۔

وَالَّيْلِ إِذَا يَسْرِ یہ پانچویں قسم ہے پہلے دس خاص راتوں کی قسم اٹھائی اب عام رات کی قسم اٹھائی۔ یسر کا معنی ہے جس میں چلا جاتا ہے جس طرح یہ جملہ کہا جاتا ہے: لیل نائم، نہار صائم۔ شاعر نے کہا:

لَقَدْ لُمْتِنَا يَا أُمَّ غَيْلَانَ فِي السُّرَى ونِمْتِ وما ليلُ المطِيِّ بنائِمِ

اے ام غیلان! تو نے رات کے چلنے میں ہماری ملامت کی تو خود سو گئی اور سواری کی رات نہ سوئی۔

اس معنی میں ہے: بل مکر اللیل و النہار (السباء: 34) یہ اکثر علماء معانی کا نقطہ نظر ہے؛ یہی قتبی اور اخفش کا قول ہے۔ اکثر مفسرین کی رائے ہے کہ یسر کا معنی ہے وہ چلا اور گیا۔ قتادہ اور ابو العالیہ نے کہا: معنی ہے آیا اور متوجہ ہوا۔ ابراہیم سے مروی ہے: جب وہ قائم ہوگئی۔ عکرمہ، کلبی، مجاہد اور محمد بن کعب نے کہا: الَّيْلِ سے مراد خاص کر مزدلفہ کی رات ہے کیونکہ اس رات میں لوگ خصوصاً اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے لیے اکٹھے ہوتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد لیلۃ القدر ہے کیونکہ رحمت اس میں سرایت کر جاتی ہے اور یہ ثواب کی زیادتی کے ساتھ خاص ہوتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تمام راتوں کا ارادہ کیا ہے۔ میں کہتا ہوں یہی بات زیادہ نمایاں ہے جس طرح پہلے گزرا ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

ابن کثیر، ابن محیصن اور یعقوب نے یسری پڑھا ہے دونوں حالتوں میں یاء کو ثابت رکھا جس طرح اصل قاعدہ ہے کیونکہ یہ مجزوم نہیں اس میں یاء ثابت ہے۔ نافع اور ابو عمرو نے وصل کی صورت میں اسے ثابت رکھا ہے اور وقف کی صورت میں اسے حذف کیا ہے اور کسائی سے مروی ہے ابو عبید نے کہا: کسائی ایک دفعہ مصحف کی اتباع میں وصل کی صورت میں یاء کو ثبت کرنے کا کہا کرتے اور وقف میں حذف کا کہا کرتے پھر دونوں حالتوں میں یاء کو حذف کرنے کا قول کیا کیونکہ یہ آیت کا سرا ہے؛ یہی اہل شام اور کوفہ کے قراء کی قراءت ہے اور ابو عبید کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے وہ خط کی اتباع کرتے ہیں کیونکہ وہ مصحف میں بغیر یاء کے ہے۔ خلیل نے کہا: اس سے یاء ساقط ہوگی کیونکہ یہ آیات کے سرے ہیں۔ فراء نے کہا: عرب کبھی یاء کو حذف کر دیتے ہیں اور ماقبل کے کسرہ پر اکتفا کرتے ہیں۔ شاعر نے کہا:

كَفَّاكَ كَفٌّ مَا تُلِيقُ دِرْهَمًا جُودًا وأخرى تعط بالسيف الدَّما

تیرے لیے وہ ہاتھ کافی ہے جو سخاوت کے طور پر درہم دیتا ہے اور دوسری دفعہ تلوار کے ذریعے قصاص دیتا ہے۔

اس شعر میں تعط محل استدلال ہے۔

یہ جملہ بولا جاتا ہے: فلان ما یلیق درھما من جودہ فلاں آدمی اپنی سخاوت میں درہم کو نہیں روکتا اور نہ اس کے ساتھ چمٹ جاتا ہے۔ مورج نے کہا: میں نے اخفش سے یسر میں یاء کے اسقاط کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے جواب دیا:

میں تجھے کوئی جواب نہ دوں گا یہاں تک کہ تو میرے دروازے پر ایک سال رات گزارے تو میں نے اس کے دروازے پر ایک سال گزارا تو انہوں نے کہا: اللیل لا یسری وانما یسری فیہ۔ رات نہیں چلتی بلکہ اس میں چلا جاتا ہے، اسے اصل سے پھیرا گیا ہے جس کو تو اس کی جہت سے پھیرے گا تو اس کو اس کے اعراب سے گھٹا دے گا۔ کیا تو اللہ تعالیٰ کے ارشاد کی طرف نہیں دیکھتا: وَمَا كَانَتْ أُمُّكِ بَغِيًّا ۝ (مریم) اسے بغیۃ نہیں کہا کیونکہ اسے باغیۃ سے پھیرا گیا ہے۔ زمخشری نے کہا: یسری کی یاء درمیان کلام میں حذف ہو جاتی کیونکہ حرف کسرہ پر اکتفا کیا جاتا ہے جہاں تک وقف کا تعلق ہے تو اسے کسرہ کے ساتھ حذف کر دیا جاتا ہے۔ یہ تمام اسماء قسم کے ساتھ مجرور ہیں۔ جواب محذوف ہے وہ لیُعَذِّبُنَّ ہے اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان دلالت کرتا ہے: أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ۝ إِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ۝ الَّتِي لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ ۝ وَثَمُودَ الَّذِينَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ ۝ وَفِرْعَوْنَ ذِي الْأَوْتَادِ ۝ الَّذِينَ طَغَوْا فِي الْبِلَادِ ۝ فَأَكْثَرُوا فِيهَا الْفَسَادَ ۝ فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ ۝ (الفجر) ابن انباری نے کہا: جواب إِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ۝ ہے۔ مقاتل نے کہا: یہاں هَلْ، إنَّ کے معنی میں ہے تقدیر کلام یہ ہوگی إن فی ذلك قسما لذی حجر، پس یہاں هَلْ جواب قسم کے محل میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اس استفہام کے باب سے ہے جس کا معنی پختہ کرنا ہوتا ہے جس طرح تیرا یہ قول ہے: أَلَمْ أُنعِمْ علیك یہ جملہ اس وقت بولتے ہیں جب تو نے انعام کیا ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد اس کی تاکید ہوتی ہے جس کے ساتھ قسم اٹھائی جائے یا جس پر قسم اٹھائی جائے معنی یہ ہوگا بلکہ دانشمند کے لیے اس میں کفایت ہے۔ اس صورت میں جواب إِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ۝ ہے یا وہ مضمر محذوف ہے اور لِذِي حِجْرٍ کا معنی ہے دانش و عقل والا۔

وكيفَ يرجى أنْ تتوبَ وانّما ... يُرجى من الفتيانِ مَنْ كان ذا حِجر

تجھ سے توبہ کی امید کیسے کی جا سکتی ہے نوجوانوں میں سے دانشمند سے ایسی امید کی جا سکتی ہے۔

عام مفسرین نے اسی طرح کہا ہے مگر ابو مالک نے کہا: لِذِي حِجْرٍ کا معنی ہے لوگوں میں سے پردہ والے کے لیے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: حلم والے کے لیے، پردہ والے کے لیے۔ سب عقل کے معنی میں ہیں۔ حِجْرٍ کا اصل معنی روکنا ہوتا ہے جو اپنے نفس کا مالک ہو اور اسے روکے اسے کہتے ہیں: ذوحجر۔ اس معنی میں حِجْرٍ ہے کیونکہ وہ اپنی سختی کی وجہ سے محفوظ ہوتا ہے اس معنی میں حجر الحاکم علی فلان حاکم نے فلاں کو تصرف سے روک دیا اس وجہ سے حَجرۃ کو حُجرۃ کہتے ہیں کیونکہ اس کے اندر جو کچھ ہوتا ہے وہ اس کمرہ کی وجہ سے محفوظ ہوتا ہے۔ فراء نے کہا: عرب کہتے ہیں انّہ لذو حجر جب وہ نفس پر غالب اور ضابط ہو گویا اس نے یہ حجرتُ علی الرجلِ سے اخذ کیا ہے۔

أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ۝ إِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ۝

"کیا آپ نے ملاحظہ نہ کیا کہ آپ کے رب نے کیا کیا عاد، ارم کے ساتھ جو اونچے ستونوں والے تھے"۔

أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ۝ إِرَمَ، رَبُّكَ سے مراد تیرا مالک اور تیرا خالق ہے۔ عام قراءت عادِ ہے۔ حضرت حسن بصری اور ابو العالیہ نے بعادِ ارمَ کی صورت میں پڑھا ہے۔ جس نے مضاف، مضاف الیہ نہیں بنایا اس نے إِرَمَ کو

اس کا نام بتایا ہے اور غیر منصرف قرار دیا ہے کیونکہ اس نے عاد کو ان کے رب کا نام اور ارم کو قبیلہ کا نام قرار دیا ہے اور ارم کو اس کا بدل یا عطف بیان بنایا ہے جس نے اسے اضافت کے ساتھ پڑھا ہے اس نے اسے ان کی ماں کا لفظ یا ان کے شہر کا نام قرار دیا ہے تقدیر کلام یہ ہوگی بعاد أھل ارم۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَسْـَٔلِ الْقَرْیَةَ (یوسف:82) یہ منصرف نہیں ہوگا خواہ وہ قبیلہ کا نام ہو یا علاقہ ہو کیونکہ تعریف اور تانیث کا خاصہ موجود ہے۔ عام قراءت اِرَمَ ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ حضرت حسن بصری سے بعاد اِرَمَ ہے کہ دونوں اسم مفتوح ہیں۔ اسے بعاد ارم پڑھا گیا ہے یعنی راء کو ساکن اور تخفیف کے ساتھ پڑھا گیا ہے جس طرح بود قکم پڑھا گیا ہے اسے بعاد اِرَمِ ذات العماد اس صورت میں اِرَمَ کو ذات العماد کی طرف مضاف کر دیا گیا ہے اِرَمَ علم ہے مراد ہوگا عاد کے ساتھ جو اس علم والے ہیں اسے بعاد ارم ذات العماد بھی پڑھا گیا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے ستونوں والے کو بوسیدہ بنا دیا ہے۔ مجاہد، ضحاک اور قتادہ نے آرَم پڑھا ہے۔ مجاہد نے کہا: جس نے اسے ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے اس نے انہیں آرام کے ساتھ تشبیہ دی ہے جس کا معنی اعلام ہے اس کا واحد آرَم ہے کلام میں تقدیم و تاخیر ہے ای والفجر و کذا و کذا ان ربك لبالمرصاد الم تر۔ یعنی قسم ہے فجر کی اس کی بے شک تیرا رب تاڑ رہا ہے کیا تو نے اسے نہیں دیکھا کیا تیرا وہ علم جو اس بارے میں ہے کہ تیرے رب نے عاد کے ساتھ کیا کیا ہے تجھے نہیں روکتا یہ دیکھنا دل کا دیکھنا ہے۔ خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہے مراد عام ہے۔ عاد اور ثمود کا امر مشہور تھا کیونکہ یہ عرب علاقوں میں تھے اور جو ثمود آج بھی موجود ہیں۔ فرعون کے معاملہ کو وہ اپنے پڑوسی اہل کتاب سے سنا کرتے تھے اس کے بارے میں اخبار مشہور ہیں اور فرعون کا ملک عرب علاقہ کے ساتھ متصل ہے۔ سورۂ بروج میں یہ بات پہلے گزر چکی ہے۔ عاد سے مراد قوم عاد ہے۔ شہر بن حوشب نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ قوم عاد کا ایک آدمی پتھر سے دروازے کا ایک پٹ بناتا۔ اگر اس امت کے پانچ سو آدمی جمع ہو جائیں تو اس کو نہ اٹھا سکیں۔ اگر ان میں سے کوئی ایک زمین میں اپنا قدم داخل کرنا چاہتا تو اس میں داخل کر دیتا۔ اِرَمَ کے بارے میں ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد سام بن نوح ہے؛ یہ حضرت ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ عطا نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے۔ ابن اسحاق سے یہ بھی مروی ہے کہ عاد، ارم کا بیٹا تھا۔ اس تعبیر کی صورت میں ارم، عاد کا باپ ہوگا نسب یوں ہوگا عاد بن ارم بن عوص بن سام بن نوح۔ پہلے قول کی صورت میں یہ عاد کا دادا ہے۔ حضرت ابن اسحاق نے کہا: سام بن نوح کی اولاد میں سے عمالقہ، فراعنہ، جبابرہ اور سرکش اور نافرمان بادشاہ ہوئے۔ مجاہد نے کہا: اِرَمَ امتوں میں سے ایک امت ہے۔ ان سے یہ بھی مروی ہے: اِرَمَ کا معنی قدیمی ہے؛ یہ ابن ابی نجیح نے روایت کیا ہے۔ مجاہد سے یہ بھی مروی ہے کہ اس کا معنی قوی ہے۔ قتادہ نے کہا: یہ عاد کا قبیلہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: دو عاد قومیں گزری ہیں پہلی عاد ارم تھے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَاَنَّهٗۤ اَهْلَكَ عَادَا الْاُوْلٰى ۝ (النجم) اس نے پہلی عاد کو ہلاک کیا۔ بعد والی کو عاد کا نام دیا گیا ہے جس کا نسب یہ تھا عاد بن عوص بن ارم بن سام بن نوح جس طرح بنی ہاشم کو ہاشم کہتے ہیں پھر ان میں سے پہلوں کو عاد اولی اور ارم کہتے ہیں ان کو یہ نام ان کے جد اعلیٰ کی وجہ سے دیا گیا اور بعد والوں کو عاد اخیرہ کا نام دیا گیا۔ ابن رقیات نے کہا:

مَجْدًا تَلِيدًا بَنَاهُ أَوَّلُهُمْ أَدْرَكَ عَادًا وَقَبْلَهُ إِرَمَا

پرانی بزرگی جسے ان کے بزرگوں نے بنایا تھا انہوں نے عاد اور ان سے قبل ارم کو پالیا۔

معمر نے کہا: ارم پر عاد اور ثمود (1) جمع ہوتے جس طرح یہ کہا جاتا: عاد ارم، ثمود ارم۔ قبائل ارم کی طرف منسوب ہوتے۔

ذَاتِ الْعِمَادِ ۙ الَّتِیْ لَمْ یُخْلَقْ مِثْلُهَا فِی الْبِلَادِ ۝ علاء کی روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: ان میں سے ایک آدمی کا قد پانچ سو ہاتھ ہوتا اور ان میں سے چھوٹے قد والا تین سو ہاتھ لمبا ہوتا اس کا یہ ہاتھ اپنے ہاتھ کے برابر ہوتے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے کہ ان میں سے لمبا آدمی ستر ہاتھ کا ہوتا۔ ابن عربی نے کہا: یہ قول باطل ہے کیونکہ صحیح میں ہے: ''اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا ان کی لمبائی ہوا میں (قد) ساٹھ ہاتھ تھی لگاتار مخلوق میں کمی آرہی ہے''۔ قتادہ نے گمان کیا: ان کے آدمی کا قد بارہ ہاتھ ہوتا۔ ابو عبیدہ نے کہا: ذَاتِ الْعِمَادِ سے مراد ہے لمبے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: رجل مُعَمَّد جب وہ لمبا ہو۔ حضرت ابن عباس اور مجاہد سے اس کی مثل مروی ہے۔ قتادہ سے یہ بھی مروی ہے: وہ قوم کے سردار تھے جس طرح یہ جملہ بولا جاتا ہے: فلان عَمِيدُ القوم و عَمُودهم یعنی وہ ان کا سردار ہے۔ ان سے یہ بھی مروی ہے کہ انہیں یہ نام اس لیے دیا گیا وہ گھاس کے حصول کے لیے اپنے گھر ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرتے رہتے تھے وہ خیموں اور ستونوں والے تھے وہ بارش اور گھاس کی طلب میں رہتے پھر اپنے گھروں کو پلٹ آتے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ذَاتِ الْعِمَادِ سے مراد بلند عمارتوں والے ہیں جو ستونوں پر بنائی جاتیں وہ ستون بناتے اور ان پر محلات بناتے۔ ذَاتِ الْعِمَادِ سے مراد ہے عمارتوں کو ستونوں کے ذریعے پختہ کرنا۔ صحاح میں ہے: عماد سے مراد بلند عمارت ہے، اسے مذکر اور مونث تسلیم کیا جاتا ہے۔

عمرو بن کلثوم نے کہا:

وَنَحْنُ إِذَا عِمَادُ الْحَيِّ خَرَّتْ عَلَى الْأَحْفَاضِ نَمْنَعُ مَنْ يَلِينَا

اور ہم جب قبیلہ کی بلند عمارات سامان پر آگریں تو ہم ان لوگوں کی حفاظت کرتے ہیں جو ہمارے پڑوس میں ہوتے ہیں۔

عماد کا واحد عمادۃ ہے فلان طویلُ العماد جب اس کا مکان ملاقاتی کے لیے جانا پہچانا ہو۔ احفاض یہ حفض کی جمع ہے اس سے مراد گھر کا سامان ہے جب اسے لادنے کے لیے تیار کیا جائے یعنی وہ سامان پر گر پڑیں۔ اس شعر کو عن الأحفاض بھی روایت کیا گیا ہے یعنی وہ سامان ان اونٹوں سے گر پڑا جن پر گھر کا سامان لادا گیا تھا۔ ضحاک نے کہا: ذَاتِ الْعِمَادِ سے مراد ہے قوت والا۔ یہ قوۃ الأعمدۃ سے ماخوذ ہے اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ قَالُوْا مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً (فصلت: 15) انہوں نے کہا: ہم میں سے کون قوی ہے؟ عوف نے خالد ربعی سے روایت نقل کی ہے کہ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ۝ سے مراد ہے دمشق: یہ عکرمہ اور سعید مقبری کا قول ہے اسے ابن وہب اور اشہب نے امام مالک سے روایت کیا ہے۔ محمد بن کعب قرظی نے کہا: اس سے مراد اسکندریہ ہے۔

الَّتِیْ لَمْ یُخْلَقْ مِثْلُهَا فِی الْبِلَادِ ۝

1۔ عربی کی کتابت تو عاد ثمود ہے لیکن سیاق کلام یہ تقاضا کرتا ہے کہ ثمود ارم ہو۔ مترجم

''نہیں پیدا کیا گیا جن کا مثل (دنیا کے) ملکوں میں''۔

مِثْلُهَا کی ضمیر قبیلہ کی طرف لوٹتی ہے یعنی اس قبیلہ جیسا شہروں میں کوئی پیدا نہیں کیا گیا یعنی قوت، مضبوطی، بڑے جسم اور لمبے قد میں؛ حضرت حسن بصری اور دوسرے علماء سے یہی مروی ہے۔ حضرت عبداللہ کی قراءت میں التی لم یخلق مثلھم فی البلاد ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ ضمیر مدینہ کی طرف لوٹتی ہے۔ پہلا زیادہ نمایاں اور اسی پر اکثر علماء کا اتفاق ہے جس طرح ہم نے ذکر کیا ہے۔ جس نے اِرَمَ کو شہر تسلیم کیا ہے اس نے حذف کو مقدر کیا ہے پھر معنی یہ ہوگا تیرے رب نے عاد ارم کے شہر کے ساتھ کیا کیا؟ اس تعبیر کی صورت میں ارم مونث معرفہ ہوگا۔ ابن عربی نے یہ رائے اپنائی ہے کہ اس سے مراد دمشق ہے کیونکہ شہروں میں اس جیسا شہر کوئی نہیں پھر اس کی تعریف کی کہ اس میں بہت زیادہ پانی اور اس کی اچھائیاں ہیں۔

پھر کہا: اسکندریہ میں بڑے عجائب ہیں اگر منارہ کے سوا کوئی چیز نہ ہوتی کیونکہ یہ ظاہر اور باطن میں ستونوں پر بنا ہوا ہے لیکن اس کی کئی امثلہ موجود ہیں جہاں تک دمشق کا تعلق ہے اس کی کوئی مثال نہیں۔ معن نے امام مالک سے روایت نقل کی ہے کہ اسکندریہ میں ایک مکتوب پایا گیا یہ پتہ نہ چلتا تھا کہ اس میں کیا لکھا ہوا ہے؟ بعد میں معلوم ہوا کہ اس میں یہ تحریر ہے: میں شداد بن عاد ہوں جس نے عمارتوں کو بلند کیا میں نے انہیں اس وقت بنایا ہے جب بڑھاپا اور موت نہیں۔ امام مالک نے کہا: ان پر سو سال گزر جاتا تو وہ اس میں کوئی جنازہ نہ دیکھتے۔ ثور بن زید سے یہ مذکور ہے کہ اس نے کہا: میں شداد بن عاد ہوں، میں نے عمارات کو بلند کیا، میں وہ ہوں جس نے اپنے بازوں سے وادی کے بطن کو بند کر دیا تھا، وہ میں ہوں جس نے سات ہاتھوں پر خزانہ دبا دیا ہے اسے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی امت نہ نکالے گی۔ ایک روایت یہ بیان کی جاتی ہے کہ عاد کے دو بیٹے تھے شداد اور شدید۔ دونوں بادشاہ ہوئے اور بڑے جابر بادشاہ ہوئے پھر شدید مر گیا اور شداد کے لیے حکومت خالص ہو گئی وہ پوری دنیا کا بادشاہ ہوا تمام چھوٹے بادشاہ اس کے باجگزار ہوئے اس نے جنت کا ذکر سنا اس نے کہا: اس کی مثل میرے لیے بناؤ۔ عدن کے ایک صحراء میں ارم تین سو سالوں میں بنایا گیا اس کی عمر نو سو سال تھی یہ بڑا شہر تھا اس کے محلات سونے اور چاندی کے تھے اس کے ستون زبرجد یاقوت کے تھے اس میں مختلف قسم کے درخت اور جاری نہریں تھیں۔ جب وہ باغ مکمل ہو گیا تو وہ عمائدین مملکت کے ساتھ اس کی طرف چلا۔ جب وہ ایک دن اور رات کی مسافت پر تھا تو اللہ تعالیٰ نے آسمان سے ایک چیخ ان پر بھیجی تو وہ ہلاک ہو گئے (1)۔

عبداللہ بن قلابہ سے مروی ہے کہ وہ اپنے اونٹوں کی تلاش میں نکلے تو اس باغ تک جا پہنچے وہاں سے جو چیز اٹھانا ممکن تھی وہ اٹھائی اس کی خبر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ تک جا پہنچی۔ حضرت امیر معاویہ نے انہیں طلب کیا اور عبداللہ نے تمام واقعہ بیان کیا حضرت امیر معاویہ نے کعب الاحبار کی طرف پیغام بھیجا اور اس سے اس بارے میں پوچھا انہوں نے جواب دیا: یہ ارم ذات العماد ہے مسلمانوں میں سے ایک آدمی آپ کے دور میں اس میں داخل ہوگا، جس کا رنگ سرخ، قد چھوٹا ہوگا اس کے آبرو پر تل ہوگا اور اس کی پشت پر ایک تل ہوگا وہ اپنے اونٹوں کی تلاش میں نکلے گا پھر متوجہ ہوا تو ابن قلابہ کو دیکھا کہا: اللہ کی

1۔ تفسیر الکشاف، جلد 4، صفحہ 250

قسم! یہ وہی آدمی ہے (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: عاد کی عمارات جو ستونوں کی وجہ سے معروف ہیں ان کی مثل نہیں بنائی گئیں کنایہ عماد کی وجہ سے ہے اس تعبیر کی صورت میں عماد، عمد کی جمع ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ارم کا معنی ہلاکت ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: أَرِمَ بنو فلاں بنو فلاں ہلاک ہو گئے؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ ضحاک نے کہا: أَرَمَ ذَاتَ الْعِمَادِ انہیں ہلاک کر دیا اور ریزہ ریزہ کر دیا۔

وَثَمُودَ الَّذِينَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ ﴿٩﴾

''اور ثمود کے ساتھ (کیا کیا) جنہوں نے کاٹا تھا چٹانوں کو وادی میں''۔

ثمود، حضرت صالح علیہ السلام کی قوم ہے جَابُوا کا معنی ہے انہوں نے کاٹا اسی معنی میں فلان یُجُوبُ البلاد ہے فلاں شہروں کو طے کرتا ہے۔ قمیص کی جیب کو یہ نام دیا گیا ہے کیونکہ اسے بھی کاٹا جاتا ہے۔ شاعر نے کہا جب کہ وہ حضرت عبد اللہ بن زبیر کی خدمت میں حاضر ہوا حضرت عبد اللہ بن زبیر نے اس کے حق میں ساٹھ وسق کا پروانہ لکھ دیا جو وہ کوفہ سے لے سکتا تھا تو اس نے کہا:

راحت رَوَاحا قَلُوصِي وهي حامدة　آلَ الزُّبَيْرِ ولم تَعْدِل بهم أَحدًا

میری اونٹنی واپس پلٹی جب کہ وہ آل زبیر کی تعریف کر رہی تھی وہ کسی کو بھی ان کا ہم پلہ قرار نہیں دے رہی تھی۔

راحتْ بستِينَ وَسْقًا في حَقِيبتها　ما حَمَلَتْ حَمْلَها الأَدْنَى ولا السَّدَدَا

وہ لوٹی جب کہ اس کے تھیلے میں ساٹھ وسق ہیں نہ اس نے ادنیٰ بوجھ اٹھایا اور نہ درست بوجھ اٹھایا تھا۔

ما إِنْ رأيتُ قَلُوصًا قبلها حملت　ستِينَ وَسْقًا ولا جابت به بلدا

میں نے اس سے قبل کوئی اونٹنی نہیں دیکھی جس نے ساٹھ وسق اٹھائے ہوں اور نہ ہی اس کے ساتھ شہروں کو قطع کیا ہو۔

یہاں جابت کا معنی قطع کرنا ہے۔ مفسرین نے کہا: سب سے پہلے جس نے پتھروں کو کاٹا، تصویریں بنائیں اور سنگ مرمر تراشا وہ قوم ثمود ہی تھی، انہوں نے شہروں میں سے ایک ہزار سات سو شہر بنائے سب پتھر کے بنے ہوئے تھے بڑے چھوٹے گھروں میں سے انہوں نے ستائیس لاکھ گھر بنائے سب پتھر کے تھے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَكَانُوا يَنْحِتُونَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتًا آمِنِينَ ﴿٨٢﴾ (الحجر) یعنی اور وہ کھود کر بنایا کرتے تھے پہاڑوں کو اپنے گھر (اور) وہ بے خوف و خطر رہا کرتے تھے۔ وہ اپنی قوت کے باعث چٹانے نکالتے، پہاڑوں میں نقب لگاتے اور انہیں اپنے گھر بنا لیتے۔

وادی سے مراد وادی قری ہے؛ یہ محمد بن اسحاق کا نقطہ نظر ہے۔ ابو اشہب نے ابونضرہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوہ تبوک کے موقع پر وادی ثمود میں تشریف لائے جب کہ آپ سرخ گھوڑے پر تشریف فرما تھے فرمایا: ''تم جلدی چلو کیونکہ تم ایک ملعون وادی میں ہو'' (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا: پہاڑوں کے بیچ میں وادی تھی وہ ان پہاڑوں میں کمرے گھر اور حوض بناتے تھے۔ پہاڑوں یا ٹیلوں کے درمیان جو کھلی جگہ پانی کی گزرگاہ ہو اسے وادی کہتے ہیں۔

1۔ تفسیر الکشاف، جلد 4، صفحہ 250　2۔ النکت والعیون، جلد 6، صفحہ 269

وَفِرْعَوْنَ ذِی الْاَوْتَادِ ﴿۱۰﴾

''اور (کیا کیا) فرعون کے ساتھ جو میخوں والا تھا''۔

ذِی الْاَوْتَادِ سے مراد چھوٹے بڑے لشکر اور جمعیتیں جو اس کے ملک کی تقویت کا باعث ہوتی تھیں؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا نقطہ نظر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ لوگوں کو میخوں کے ساتھ عذاب دیا کرتا تھا اور انہیں ان کے ساتھ باندھے رکھتا یہاں تک کہ وہ مر جاتے، یہ سب اس کی جانب سے سرکشی اور جبر کے طور پر ہوتا تھا اس نے اپنی بیوی حضرت آسیہ اور اپنی بیٹی کی کنگی کرنے والی کے ساتھ بھی ایسا ہی سلوک کیا تھا، جیسا سورۂ تحریم کے آخر میں گزر رہا ہے۔ عبد الرحمٰن بن زید نے کہا: اس کے پاس ایک چٹان تھی جس کو چرخیوں کے ذریعے اوپر اٹھایا جاتا پھر انسان پکڑا جاتا اس میں لوہے کے کیل گاڑے جاتے پھر اس پر وہ پتھر چھوڑ دیا جاتا جو اسے کچل کے رکھ دیتا۔ سورۂ ص میں اوتاد کا ذکر گزر چکا ہے جو کافی وشافی ہے۔ الحمد للہ۔

الَّذِیْنَ طَغَوْا فِی الْبِلَادِ ﴿۱۱﴾ فَاَكْثَرُوْا فِیْهَا الْفَسَادَ ﴿۱۲﴾ فَصَبَّ عَلَیْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ ﴿۱۳﴾

''جنہوں نے سرکشی کی تھی (اپنے اپنے) ملکوں میں، پھر ان میں بکثرت فساد برپا کر دیا کرتے تھے، پس آپ کے رب نے ان پر عذاب کا کوڑا برسایا''۔

الَّذِیْنَ سے مراد قوم عاد، قوم ثمود اور قوم فرعون ہے انہوں نے سرکشی کی اور ظلم و عدوان میں حد سے تجاوز کیا اور وہ ظلم اور اذیت میں بہت آگے بڑھ گئے۔ الَّذِیْنَ طَغَوْا کے بارے میں بہترین توجیہ یہ ہے کہ یہ مذمت کے طور پر محل نصب میں ہو۔ یہ بھی جائز کہ یہ محل رفع میں ہو تقدیر کلام یہ ہوگی ھم الذین طغوا یا مذکورہ قوموں یعنی عاد، ثمود اور فرعون کی صفت کے طور پر مجرور ہو۔

اللہ تعالیٰ نے ان پر عذاب انڈیل دیا اور پھینک دیا۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: صبّ علی فلان خلقه۔ فلاں نے مجھ پر خلعت پھینک دی۔ نابغہ نے کہا:

فَصَبَّ علیه الله أَحْسَنَ صُنْعِه   وكان له بين البرية ناصرا

اللہ تعالیٰ نے اس پر بہترین احسان کیا مخلوقات میں وہ اس کا مددگار تھا۔

سَوْطَ عَذَابٍ ﴿۱۳﴾ سے مراد عذاب کا حصہ ہے۔ ایک قول یہ بھی کیا جاتا ہے: اس سے مراد سخت عذاب ہے، کیونکہ ان کے نزدیک سوط سے مراد وہ چیز ہے کہ جن چیزوں کے ساتھ عذاب دیا جاتا ہے ان میں سے آخری حد ہے؛ شاعر نے کہا:

ألم تَرَ أنّ الله أظهرَ دِينه   وصبَّ على الكفارِ سَوْطَ عَذَابِ

کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کو غالب کیا اور کفار پر عذاب نازل کیا۔

فراء نے کہا: یہ ایسا کلمہ ہے جسے عرب ہر قسم کے عذاب کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ اصل اس کا معنی ہے کہ سوط وہ عذاب ہے جس کے ساتھ انہیں عذاب دیا جاتا ہے پس ہر کسی کے لیے عذاب جاری ہو گیا، کیونکہ اس میں ان کے لیے انتہاء درجے کا عذاب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے ایسا عذاب ہوگا جو گوشت اور خون کے ساتھ خلط ملط ہو جائے گا۔ یہ عربوں کے

اس قول سے ماخوذ ہے: سَاطَهٗ یَسُوطُهٗ سَوْطًا یعنی اس کے ساتھ خلط ملط ہو گیا اس سے اسم فاعل کا صیغہ سائط ہے السوط سے مراد ایک چیز کا دوسری چیز کے ساتھ مل جانا۔ اس سے مسواط ہے وہ گھوڑا جو چابک کے بغیر نہ چلے۔ ساطه یعنی اسے ملا دیا اس سے اسم فاعل کا صیغہ سائط ہے اکثر طور پر یہ جملہ بولا جاتا ہے: سوط فلان أمورہ۔ فلاں نے اپنے امور کو خلط ملط کر دیا ہے۔

ابو زید نے کہا: یہ جملہ بولا جاتا ہے أموالهم سَوِيطَةٌ بَيْنَهم ان کے اموال آپس میں ملے ہوئے ہیں۔ یعقوب نے اس سے یہ حکایت بیان کی ہے۔ زجاج نے کہا: ان کے سوط جس کے ساتھ ان کو مارا اسے عذاب بنا دیا۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: ساط دابته یسوطها۔ اسے سوط کے ساتھ مارا۔ عمرو بن عبید سے مروی ہے: حضرت حسن بصری جب اس آیت تک پہنچتے تو فرماتے: اللہ تعالیٰ کے ہاں بے شمار کوڑے ہیں ان میں سے ایک کوڑے کے ساتھ انہیں پکڑ لیا۔ قتادہ نے کہا: ہر شئی جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ عذاب دے وہ عذاب کا کوڑا ہے۔

اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ﴿۱۴﴾

''بے شک آپ کا رب (سرکشوں اور مفسدوں کی) تاک میں ہے''۔

وہ انسان کے ہر عمل کی تاک میں ہوتا ہے یہاں تک کہ اسے اس عمل کے بدلے میں بدلہ دیتا ہے؛ یہ حضرت حسن بصری اور عکرمہ نے کہا: ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ وہ بندوں کے راستہ پر ہے کوئی اسے مفقود نہیں پاتا۔ مرصد اور مرصاد کا معنی راستہ ہے۔ سورۂ براءۃ میں یہ گزر چکا ہے۔ ضحاک نے حضرت ابن عباس سے روایت نقل کی ہے کہ جہنم کے اوپر سات پل ہیں پہلے پل کے پاس انسان سے ایمان کے بارے میں پوچھا جائے گا اگر وہ اسے مکمل لے آیا تو وہ دوسرے پل کی طرف چلا جائے گا پھر اس سے نماز کے بارے میں پوچھا جائے گا اگر وہ انہیں بجا لایا تھا تو وہ تیسرے پل کی طرف چلا جائے گا پھر اس سے زکوٰۃ کے بارے میں پوچھا جائے گا اگر وہ اسے بجا لایا تھا تو چوتھے پل کی طرف چلا جائے گا پھر اس سے رمضان شریف کے روزوں کے بارے میں پوچھا جائے گا اگر وہ اسے بجا لایا تھا تو وہ پانچویں پل کی طرف چلا جائے گا پھر اس سے حج اور عمرہ کے بارے میں سوال کیا جائے گا اگر وہ ان دونوں کو بجا لایا تھا تو چھٹے پل کی طرف چلا جائے گا پھر اس سے صلہ رحمی کے بارے میں پوچھا جائے گا اگر وہ اسے بھی بجا لایا تھا تو وہ ساتویں پل کی طرف چلا جائے گا۔ پھر اس سے مظالم کے بارے میں پوچھا جائے گا ایک ندا کرنے والا ندا کرے گا: اگر کسی کا کوئی حق ہو تو آئے تو اس سے لوگوں کا قصاص لیا جائے گا اور لوگوں سے اس کا بدلہ لیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان: اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ﴿﴾ کا یہی معنی ہے۔ ثوری نے کہا: لَبِالْمِرْصَادِ سے مراد جہنم ہے جس پر تین پل ہیں ایک پل میں رحم ہے، ایک پل میں امانت ہے اور ایک پل میں اللہ تعالیٰ جلوہ افروز ہے۔ میں کہتا ہوں: اس کی حکمت، ارادہ اور امر ہے۔ واللہ اعلم۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ لَبِالْمِرْصَادِ سے مراد ہے: وہ سنتا ہے اور دیکھتا ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ اچھا قول ہے وہ ان کے اقوال اور سرگوشیاں سنتا ہے اور ان کے اعمال اور اسرار کو جانتا ہے وہ ہر کسی کو اس کے عمل کے مطابق جزا دے گا۔ ایک عرب کے بارے میں مروی ہے: اسے کہا گیا تیرا رب کہاں ہے؟ اس نے کہا: تاڑ میں۔

عمرو بن عبید سے مروی ہے کہ اس نے یہ سورت منصور کے پاس پڑھی یہاں تک کہ وہ اس آیت تک پہنچا تو کہا: اے ابو جعفر! تیرا رب تیری تاڑ میں ہے۔ زمخشری نے کہا: اس ندا میں روئے سخن اس کی طرف پھیرا کیونکہ یہ بھی ان میں سے ایک تھا جن جابروں کو اس کے ساتھ دھمکی دی گئی تھی۔ اللہ کے قبضہ میں ہی سب بھلائیاں ہیں۔

أيّ أسدٍ فراس كان بين يديه ؟ اس کے سامنے کون چیر نے پھاڑنے والا شیر ہے۔

يَدُقّ الظَّلَمة بإنكاره وہ اپنے انکار کے ساتھ ظالموں کو ریزہ ریزہ کر دیتا ہے۔

ويقمع أهل الأهواء والبدع باحتجاجه وہ اپنی دلیل کے ساتھ بدعتوں کو نیست و نابود کر دیتا ہے (1)۔

فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ رَبُّهٗ فَاَكْرَمَهٗ وَ نَعَّمَهٗ ۙ۬ فَيَقُوْلُ رَبِّيْۤ اَكْرَمَنِ ۞ وَ اَمَّاۤ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ ۙ۬ فَيَقُوْلُ رَبِّيْۤ اَهَانَنِ ۞

"مگر انسان (بھی عجیب شئی ہے) کہ جب آزماتا ہے اس کا رب یعنی اس کو عزت دیتا ہے اور اس پر انعام فرماتا ہے تو وہ کہتا ہے: میرے رب نے مجھے عزت بخشی۔ اور جب اسے (یوں) آزماتا ہے کہ اس پر روزی تنگ کر دیتا ہے تو کہنے لگتا ہے کہ میرے رب نے مجھے ذلیل کر دیا"۔

الْاِنْسَانُ سے مراد کافر ہے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: اس سے مراد عتبہ بن ربیعہ اور ابو حذیفہ بن مغیرہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: اس سے مراد امیہ بن خلف ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: اس سے مراد ابی بن خلف ہے۔

جب اسے نعمت دی تو آزمائش میں ڈالا اور امتحان لیا۔ اِذَا مَا میں ما زائدہ ہے مال دے کر اسے عزت دی اور وسعتیں بخش کر اسے نعمتوں سے نوازا اور وہ اس کے ساتھ خوش ہوتا ہے مگر اس کی حمد نہیں کرتا اور جب اسے فقر کے ساتھ آزماتا ہے اور اس پر رزق تنگ کر دیتا ہے تو وہ کہتا ہے: میرے رب نے مجھے ذلت عطا کی ہے۔ یہ کافر کی صفت ہے جو قیامت پر ایمان نہیں رکھتا اس کے نزدیک کرامت اور ذلت دنیا دی مال کی کمی اور زیادتی کے ساتھ ہوتی ہے جہاں تک مومن کا تعلق ہے اس کے نزدیک کرامت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے اپنی طاعت اور توفیق سے نوازتا ہے اور آخرت کے حصہ کی طرف لے جاتا ہے اگر اللہ تعالیٰ اسے دنیا میں وسعت عطا فرمائے تو وہ اس کی حمد کرتا ہے اور شکر بجالاتا ہے۔

میں کہتا ہوں: دونوں آیتیں ہر کافر کی صفتیں ہیں مسلمانوں میں سے کثیر لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اسے جو عطا کیا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی کرامت اور فضیلت کی وجہ سے ہے بعض اوقات وہ اپنی جہالت کی وجہ سے یہ کہتا ہے: اگر میں اس کا مستحق نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ مجھے یہ عطا نہ کرتا۔ اس طرح اگر اللہ تعالیٰ اس پر مال کی کمی کر دیتا ہے تو وہ گمان کرتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی بے قدری کی وجہ سے ہے۔ عام قراءت فَقَدَرَ ہے یعنی دال پر شد نہیں۔ ابن عامر نے اسے مشدد پڑھا ہے۔ یہ دونوں لغتیں ہیں۔ پسندیدہ تخفیف ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَ مَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ (الطلاق: 7) اور جس پر اس کا رزق تنگ کیا گیا۔ ابو عمرو نے کہا: قَدَر کا معنی کمی کرنا۔ اور قَدَّر کا معنی ہے اتنا دینا جو اسے کفایت کر

1۔ تفسیر الکشاف، جلد 4، صفحہ 251

جائے۔ اگر اس کے ساتھ یہ معاملہ کیا جاتا تو وہ یہ نہ کہتا: رَبِّيٓ اَهَانَنِ۔

اہل حرمین اور ابو عمرو نے رَبِّیَ یاء کے فتحہ کے ساتھ دونوں جگہ پڑھا ہے باقی قراء نے اسے سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔ بزی، ابن محیصن اور یعقوب نے اَكْرَمَنِ، اور اَهَانَنِ کی یاء کو دونوں حالتوں میں ثابت رکھا ہے کیونکہ یہ اسم ہے اسے حذف نہیں کیا جاتا۔ مدنیوں نے وصل میں ثابت رکھا ہے اور وقف میں ثابت نہیں رکھا وہ مصحف کی اتباع کرتے ہیں۔ ابو عمرو فصل میں ثابت یا حذف میں اختیار دیا ہے کیونکہ یہ آیت کا سرا ہے اور وقف کی صورت میں حذف کو اپنایا ہے وجہ مصحف کے خط کا لحاظ ہے۔ باقی قراء نے اسے حذف کیا ہے کیونکہ دونوں جگہ یہ یاء کے بغیر آئے ہیں سنت یہی ہے کہ مصحف کے خط کی مخالفت نہ کی جائے کیونکہ یہ صحابہ کا اجماع ہے۔

كَلَّا بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ ﴿١٧﴾ وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ﴿١٨﴾ وَتَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّا ﴿١٩﴾ وَّتُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ﴿٢٠﴾

''ایسا نہیں ہے بلکہ (اس کی وجہ یہ ہے کہ) تم یتیم کی عزت نہیں کرتے اور نہ تم ترغیب دیتے ہو مسکین کو کھانا کھلانے کی اور چٹ کر جاتے ہو میراث کا سارا مال اور دولت سے حد درجہ محبت کرتے ہو''۔

كَلَّا یہ روکرنے کے لیے ہے یعنی معاملہ ایسا نہیں جیسا گمان کیا جا رہا ہے اور مال و دولت کی کثرت اس کے فضل کی علامت نہیں اور نہ ہی فقر و تنگ دستی اس کی طرف سے ذلت و رسوائی ہے بے شک فقر و غنا تو میری تقدیر ہے۔ فراء نے کہا: یہاں كَلَّا اس معنی میں ہے کہ بندہ کے لیے نہیں چاہیے کہ وہ اس طرح ہو بلکہ غنا اور فقر دونوں صورتوں میں وہ اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرے حدیث میں ہے: ''اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: كَلَّا إِنِّي لا أكرم من أكرمت بكثرة الدنيا ولا أهين من أهنت بقلتها إنما أكرم من أكرمت بطاعتي وأهين من أهنت بمعصيتي (1) ہرگز نہیں جسے میں عزت دیتا ہوں میں اسے مال کی کثرت کے ذریعے عزت نہیں دیتا اور جسے میں ذلیل کرتا ہوں میں اسے مال کی کمی کے ساتھ ذلت نہیں دیتا میں جسے عزت دیتا ہوں اپنی طاعت کے ساتھ عزت دیتا ہوں اور جسے ذلیل کرتا ہوں اپنی معصیت کے ساتھ ذلت دیتا ہوں۔

بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ ﴿١٧﴾ جو کچھ وہ کیا کرتے تھے ان امور کی خبر دی جا رہی ہے کہ یتیم کو میراث نہیں دیتے تھے اسراف کرتے اس کا مال کھا جاتے اور جلدی جلدی مال کھا جاتے کہ وہ بڑا نہ ہو جائے۔ ابو عمرو اور یعقوب نے یکرمون، یحضون، یاکلون اور یحبون کو یاء کے ساتھ پڑھا ہے کیونکہ انسان کا ذکر پہلے ہو چکا ہے اس سے مراد جنس ہے اسے جمع کے لفظ کے ساتھ تعبیر کیا ہے باقی قراء نے چاروں صیغوں کو تاء کے ساتھ پڑھا ہے کہ یہ خطاب کے صیغے ہیں گویا انہیں یہ بات زجر و توبیخ کے لیے کی۔ یتیم کے اکرام کو ترک کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اسے حق نہ دینا اور اس کا مال کھا جانا جس طرح ہم نے ذکر کیا ہے۔ مقاتل نے کہا: یہ قدامہ بن مظعون کے حق میں آیات نازل ہوئیں جو امیہ بن خلف کی گود میں یتیم تھا۔

وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ﴿١٨﴾ وہ اپنے گھر والوں کو حکم نہیں دیتے کہ جو یتیم ان کے پاس آئے وہ اسے کھلا دیں

1۔ تفسیر طبری، جلد 24 صفحہ 377

کریں۔ کوفیوں نے اسے ولا تحاضون پڑھا ہے یعنی تاء مفتوحہ، حاء اور الف کے ساتھ پڑھا ہے یعنی وہ ایک دوسرے کو برانگیختہ نہیں کرتے۔ اصل میں یہ تتحاضون تھا ایک تاء کو حذف کر دیا گیا کیونکہ کلام اس پر دلالت کرتی ہے؛ یہ ابو عبید کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے۔ ابراہیم اور شیزری نے کسائی اور سلمی سے روایت نقل کی ہے کہ تحاضون تاء کے ضمہ کے ساتھ ہے۔ یہ حض سے تفاعلون کے وزن پر ہے اس کا معنی برانگیختہ کرنا ہے۔

وَ تَأْكُلُوْنَ التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّا ﴿۱۹﴾ تراث سے مراد یتیموں کی میراث ہے اس کی اصل وارث ہے یہ وراثت سے مشتق ہے جس طرح تجاہ، تخمہ، تکأہ اور تودہ ہے۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔ لَّمًّا کا معنی ہے شدیدا؛ یہ سدی کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: لَّمًّا کا معنی ہے سب کا سب۔ یہ عربوں کے اس قول سے لیا گیا ہے: لَمَمْتُ الطعام لمًّا جب تو سب کا سب کھا جائے؛ یہ حضرت حسن بصری اور ابو عبیدہ کا نقطہ نظر ہے۔ کلام عرب میں لم کا معنی جمع کرنا ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: لممت الشیٔ ألمه لمًّا جب تو اسے جمع کرے اس معنی میں کہا جاتا ہے: لم الله شعثه اس کے جو امور متفرق تھے ان کو جمع کر لیا۔ نابغہ نے کہا:

وَلَسْتَ بِمُسْتَبْقٍ أَخًا لَا تَلُمُّهُ عَلَى شَعَثٍ أَيُّ الرِّجَالِ الْمُهَذَّبِ

تو ایسے بھائی کو باقی رکھنے والا نہیں جسے تو پراگندگی کی حالت میں اپنے ساتھ جمع نہیں کرتا بتاؤ تو سہی کون سا آدمی مہذب ہے۔

مرناق طائی، علقمہ بن سیف کی مدح کرتے ہوئے کہتا ہے:

لَأَحَبَّنِي حُبَّ الصَّبِيِّ وَلَمَّنِي لَمَّ الْهَدِيِّ إِلَى الْكَرِيمِ الْمَاجِدِ

اس نے مجھ سے بچے کی محبت جیسی محبت کی اور مجھے یوں اپنے ساتھ جمع کیا جیسے شب زفاف کو دلہن کریم آدمی کے ساتھ جمع ہوتی ہے۔

لیث نے کہا: لم کا معنی سختی سے جمع کرنا ہے، اس سے حجر ملموم ہے اور کتیبة ملمومة ہے کھانے والا ثرید کو جمع کرتا ہے، اسے لقمہ بناتا ہے پھر کھاتا ہے۔ مجاہد نے کہا: اس کا معنی ہے وہ پھانکتا ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: وہ اپنا اور دوسروں کا حصہ کھا جاتا ہے۔ حطیہ نے کہا:

اذا كانَ لَمَّا يُتْبِعُ الذمُّ ربَّه

جب اپنا اور غیر کا حصہ جمع کرنے والا ہو گا تو یہ عمل ایسا کرنے والے کو مذمت تو لازم کرے گا۔

یعنی وہ اپنے اور دوسروں کے حصہ کو کھانے میں جمع کرتے ہیں۔ ابن زید نے کہا: یعنی جب وہ اپنا مال کھاتا ہے تو غیر کے مال کو بھی اپنے ساتھ ملا لیتا ہے اور اسے کھا جاتا ہے، وہ سوچ و بچار بھی نہیں کرتا وہ خبیث اور پاکیزہ سب کھا جاتا ہے۔ کہا: مشرک عورتوں اور بچوں کو ورثہ نہ دیا کرتے تھے بلکہ اپنی میراث ان کی میراث کے ساتھ ملا کر کھا جایا کرتے تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: میت نے ظلم سے جو مال جمع کیا ہوتا تھا وہ اسے کھا جاتے جب کہ انہیں سب کچھ علم ہوتا وہ کھانے میں حلال و حرام کو جمع کر لیتے تھے۔ یہ بھی جائز ہے کہ وارث کی مذمت کی جا رہی ہو جو آسان طریقہ سے مال لے لیتا ہے جبکہ اس میں اس کا

پسینہ بھی نہیں بہتا وہ اس کے خرچ کرنے میں اسراف سے کام لیتا ہے اور کھلا، کھا جاتا ہے جبکہ وہ ہر خواہش کو جمع کرنے والا ہوتا ہے وہ چیز کھانے سے تعلق رکھتی ہو، مشروبات ہوں یا پھل۔ جس طرح باطل وارث کرتے ہیں۔

وَّ تُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا۝ جَمًّا سے مراد ہے کثیر۔ یعنی حلال وحرام۔ جم کا معنی کثیر ہے جس طرح یہ جملہ بولتے ہیں: جَمَّ الشئ یَجِمُّ جُمُومًا فھو جَمٌّ، جَامٌّ۔ اس معنی میں جَمَّ الماءُ فی الحوض ہے۔ جب پانی جمع ہو جائے اور کثیر ہو جائے؛ شاعر نے کہا:

إِنْ تَغْفِرِ اللّٰهُمَّ تَغْفِرْ جَمًّا وأيُّ عبدٍ لَكَ لا أَلَمَّا

اے الله! اگر بخشتا ہے تو سب کو بخش دے اور تیرا کون سا بندہ ہے جس نے غلطی نہیں کی۔

جمہ ایسی جگہ کو کہتے ہیں جس میں پانی جمع ہو جاتا ہے۔ جموم ایسے کنویں کو کہتے ہیں جہاں بہت زیادہ پانی جمع ہو۔ جموم مصدر ہے یوں باب ذکر کیا جاتا ہے جَمَّ الماءُ یَجِمَّ جُمُومًا جب وہ کنویں میں بہت زیادہ ہو جاتے جبکہ اس میں جو کچھ پانی تھا نکال لیا گیا تھا۔

كَلَّآ اِذَا دُكَّتِ الْاَرْضُ دَكًّا دَكًّا۝

''یقیناً جب زمین کو کوٹ کوٹ کر ریزہ ریزہ کر دیا جائے گا''۔

یہ مناسب نہیں کہ معاملہ اس طرح ہو۔ یہ ان لوگوں کا رد کیا جا رہا ہے جو وہ دنیا پر منہ کے بل گرے ہوتے ہیں اور اس پر جمع ہیں، کیونکہ جس نے اس طرح کیا جس دن زمین ریزہ ریزہ ہوگی وہ اس روز شرمندہ ہوں گے جب کہ شرمندگی کچھ نفع نہ دے گی۔ دک کا معنی توڑنا اور باریک کرنا ہے۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے یعنی زمین پر زلزلہ برپا ہوگا تو وہ ایک دوسرے کو ریزہ ریزہ کر دے گی۔

مبرد نے کہا: معنی ہے وہ پست ہو جائے گی اور اس کی بلندی ختم ہو جائے گی جس طرح یہ جملہ بولا جاتا ہے: ناقة دکاء جس کی کوہان نہ ہو اس کی جمع دُک آتی ہے اس بارے میں گفتگو سورۃ الاعراف اور سورۃ الحاقہ میں گزر چکی ہے۔ لوگ کہتے ہیں: دک الشئ یعنی اس کو گرا دیا گیا، جس طرح کسی نے کہا:

هل غیر غارٍ دَكَّ غارا فانعدم کیا کثیر جماعت کے علاوہ کثیر جماعت کو کسی نے گرایا ہو تو وہ گر گئی ہو۔

دَكًّا دَكًّا یعنی یکے بعد دیگرے، اس میں زلزلہ برپا ہوا، اس کے بعض نے بعض کو توڑ دیا ہو پس زمین پر جو کچھ بھی ہوگا وہ ٹوٹ جائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: پہاڑوں کو گرایا جائے گا یہاں تک کہ وہ برابر ہو جائیں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اس کا معنی ہے بچھنے میں برابر ہو جائیں گے۔ دک کا معنی ہے زمین میں سے بلند جگہ کو پھسلانے کے ساتھ پست کرنا۔ حضرت ابن عباس اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما کے قول کا بھی یہی معنی ہے کہ زمین کو چمڑے کی طرح پھیلا دیا جائے گا۔

وَّ جَآءَ رَبُّكَ وَ الْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا۝ وَ جِایْٓءَ یَوْمَئِذٍۭ بِجَهَنَّمَ ۙ یَوْمَئِذٍ یَّتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ وَ اَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰى۝

''اور جب آپ کا رب جلوہ فرما ہوگا اور فرشتے قطار در قطار حاضر ہوں گے۔ اور (سامنے) لائی جائے گی اس دن جہنم، اس دن انسان کو سمجھ آجائے گی لیکن اسے سمجھنے کا کیا فائدہ''۔

یہاں رَبُّكَ سے مراد تیرے رب کا امر اور اس کا فیصلہ ہے؛ یہی حضرت حسن بصری کا قول ہے۔ یہ کلام اس اسلوب سے تعلق رکھتی ہے جس میں مضاف حذف ہوتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان کے پاس ان کا رب عظیم آیات لایا وہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ (البقرہ: 210) کہ آئے ان کے پاس اللہ کا عذاب چھائے ہوئے بادلوں (کی صورت) میں۔ اس آیت میں فِيْ ظُلَلٍ، بظلل کے معنی میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: آیات کے آنے کو اس کا آنا بنا دیا گیا ہے مقصود ان آیات کی عظمت شان بیان کرنا ہے۔ اس معنی میں حدیث میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: یابن آدم مرضتُ فلم تَعُدْنِي واستسقَيْتُكَ فلم تسقني وأستطعمتك فلم تطعمني (1) اے انسان! میں بیمار ہوا تو نے میری عیادت نہ کی، میں نے تجھ سے پانی مانگا تو نے مجھے پانی نہ پلایا اور میں نے تجھ سے کھانا مانگا تو نے مجھے نہ کھلایا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وَّجَآءَ رَبُّكَ کا مفہوم یہ ہے آج تمام شبہات زائل ہو گئے تمام معارف ضروریہ ہو گئے جس طرح جس چیز میں شک کیا جا رہا ہو وہ آجائے تو اس کے بارے میں جتنے شکوک و شبہات ہوتے ہیں وہ زائل ہو جاتے ہیں۔ اشارہ کی زبان میں گفتگو کرنے والے کہتے ہیں: اس کی قدرت ظاہر ہوئی اور ہر چیز پر چھا گئی کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ذات ہے جس کی ایک جگہ سے دوسری جگہ کی طرف منتقل ہونے کی صفت بیان نہیں کی جاتی۔ اس ذات کے لیے یہ انتقال کیسے تصور کیا جا سکتا ہے نہ اس کے لیے کوئی مکان ہے اور نہ ہی اس کے لیے وقت ہے، نہ اس پر کوئی وقت جاری ہو سکتا ہے اور نہ ہی اس پر کوئی زمان جاری ہو سکتا ہے، کیونکہ کسی شئ پر وقت کا جاری ہونا اس سے اوقات کا فوت ہونا ہے اور جس سے کوئی شئ فوت ہو جائے وہ عاجز ہوتا ہے۔

اور فرشتے صف در صف ہوں گے۔ اس روز جہنم لائی جائے گی۔ حضرت ابن مسعود اور مقاتل نے کہا: جہنم کو ستر ہزار لگاموں کے ساتھ کھینچا جا رہا ہوگا ہر لگام کے ساتھ ستر ہزار فرشتے ہوں گے اس میں جوش اور چنگھاڑ ہوگی یہاں تک کہ اسے عرش کی بائیں جانب کھڑا کر دیا جائے گا۔ صحیح مسلم میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اس روز جہنم کو لایا جائے گا جس کی ستر ہزار لگامیں ہوں گی ہر لگام کے ساتھ ستر ہزار فرشتے ہوں گے وہ اس جہنم کو کھینچ رہے ہوں گے''۔ حضرت ابو سعید خدری نے کہا: جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رنگ بدل گیا اور آپ کے چہرہ سے یہ عیاں ہونے لگا یہاں تک کہ صحابہ کرام پر یہ بڑا شاق گزرنے لگا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جبریل امین نے مجھے یہ آیات پڑھ کر سنائیں''۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! کیف یجاء بها؟ یا رسول اللہ! اس جہنم کو کیسے لایا جائے گا؟ فرمایا: اسے لایا جائے گا جب کہ ستر ہزار لگاموں کے ساتھ اسے کھینچا جا رہا ہوگا ہر لگام کے ساتھ ستر ہزار فرشتے ہوں گے وہ ایک دفعہ بدکے گی تو اسے چھوڑ دیا جائے گا تو وہ تمام مخلوقات کو جلا دے پھر جہنم میرے سامنے آئے گی تو وہ کہے گی: اے محمد! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے آپ سے کیا سروکار اللہ تعالیٰ نے تیرا گوشت مجھ پر حرام کر دیا ہے؟ کوئی نفس نہیں بچے گا مگر وہ کہہ

1۔ صحیح مسلم، کتاب البر، باب فضل عیادۃ المریض

رہا ہوگا: نفسی نفسی مگر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہوگی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہوں گے: رَبِّ اُمتی رَبِّ اُمتی (1)۔

اس روز انسان نصیحت حاصل کرے گا اور وہ توبہ کرے گا۔ یہاں انسان سے مراد کافر ہے یا جس کے اکثر مقاصد دنیا سے متعلق تھے۔ اب اس کے لیے کہاں سے نصیحت اور توبہ ہے جب کہ اس نے دنیا میں کوتاہی سے کام لیا تھا۔ ایک قول یہ کیا جاتا ہے: اس کے لیے کہاں سے نصیحت یا نفع ہے۔ یہاں مضاف کا مقدر ہونا ضروری ہے ورنہ یَوْمَئِذٍ یَّتَذَكَّرُ اور وَ اَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰى میں منافات ہوگی؛ یہ زمخشری کا نقطہ نظر ہے۔

یَقُوْلُ یٰلَیْتَنِیْ قَدَّمْتُ لِحَیَاتِیْ ﴿٢٤﴾

"(اس دن) کہے گا: کاش! میں نے کچھ آگے بھیجا ہوتا اپنی (اس) زندگی کے لیے"۔

لِحَیَاتِیْ میں لام، فی کے معنی میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: میں نے اپنی زندگی کے لیے اچھا عمل بھیجا ہوتا یعنی ایسی زندگی کے لیے جس میں موت نہ ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اہل نار کی زندگی کوئی مبارک نہ ہوگی گویا ان کے لیے کوئی زندگی نہیں معنی اس کا یہ ہے ہائے کاش! میں نے اس آگ سے بچاؤ کے لیے کوئی بھلائی بھیجی ہوتی تو میں بھی ان لوگوں میں سے ہوتا جن کے لیے مبارک زندگی ہوتی۔

فَیَوْمَئِذٍ لَّا یُعَذِّبُ عَذَابَهٗۤ اَحَدٌ ﴿٢٥﴾ وَّ لَا یُوْثِقُ وَ ثَاقَهٗۤ اَحَدٌ ﴿٢٦﴾

"پس اس دن الله کے عذاب کی طرح نہ کوئی عذاب دے سکے گا اور نہ اس کے باندھنے کی طرح کوئی باندھ سکے گا"۔

اللہ تعالیٰ کے عذاب جیسا کوئی عذاب نہ دے گا اور نہ اس کے باندھنے جیسا کوئی باندھے گا۔ ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ رہی ہے؛ یہ حضرت ابن عباس اور حضرت حسن بصری کا قول ہے، کسائی نے دونوں افعال لَا یُعَذَّبُ اور لَا یُوْثَقُ کو مجہول کا صیغہ پڑھا ہے یعنی اللہ تعالیٰ اس روز کافر کو جیسا عذاب دے گا اس طرح کسی کو عذاب نہیں دیا جا رہا ہوگا اور جیسا کافر کو جکڑا گیا ہو گا ایسا کسی کو نہ جکڑا گیا ہوگا۔ اس سے مراد ابلیس ہے کیونکہ اس امر پر دلیل قائم ہے کہ اس کے جرموں کی وجہ سے لوگوں میں سے سب سے زیادہ عذاب اسے دیا جا رہا ہوگا پھر کلام کو مطلق رکھا گیا کیونکہ ساتھ والی آیات مطلق ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا مصداق امیہ بن خلف ہے؛ یہ قول فراء نے کیا ہے جیسا عذاب اس کافر کو دیا جا رہا ہے ایسا عذاب کسی کو بھی نہیں دیا جائے گا اور جیسا اسے زنجیروں اور بیڑیوں میں جکڑا جائے گا ایسا کسی کو نہیں جکڑا جائے گا کیونکہ وہ کفر اور عناد میں انتہا کو پہنچا ہوا تھا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کی جگہ کسی کو عذاب نہ دیا جائے گا اور نہ ہی کسی سے فدیہ لیا جائے گا عذاب، تعذیب کے معنی میں ہے اور وثاق، ایثاق کے معنی میں ہے۔ اس معنی میں شاعر کا قول ہے

وَبَعْدَ عَطَائِكَ الْمِائَةَ الرِّتَاعَا

یہاں الرتاع، ارتاع کے معنی میں ہے۔ یعنی ایسا آدمی جو کافر نہیں اسے کافر جیسا عذاب نہیں دیا جائے گا۔ ابو عبید اور ابو

1۔ الوسیط، الواحدی، جلد 4، صفحہ 458-459

حاتم نے ذال اور تاء کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے ضمیر کافر کے لیے ہوگی کیونکہ یہی معروف ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے عذاب جیسا کسی کو عذاب نہیں دیا جائے گا۔ ابو قلابہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت نقل کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تاء اور ذال کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ بھی روایت کی گئی ہے کہ ابو عمرو نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قراءت کی طرف رجوع کر لیا تھا۔ ابو علی نے کہا: یہ جائز ہے کہ ضمیر کافر کے لیے ہو کیونکہ ایک جماعت کی قراءت یہی ہے، یعنی کوئی کسی کو ایسا عذاب نہیں دے گا جس طرح اس کافر کو عذاب دیا جا رہا ہے پس عَذَابَهٗٓ اور وَ ثَاقَهٗٓ کی ضمیر کافر کے لیے ہوگی احد سے مراد فرشتے ہوں گے جو جہنمیوں کو عذاب دینے کے ذمہ دار ہیں۔

يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ﴿٢٧﴾ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ﴿٢٨﴾ فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ ﴿٢٩﴾ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ ﴿٣٠﴾

''اے نفس مطمئن! واپس چلو اپنے رب کی طرف اس حال میں کہ تو اس سے راضی (اور) وہ تجھ سے راضی۔ پس شامل ہو جاؤ میرے (خاص) بندوں میں اور داخل ہو جاؤ جنت میں''۔

جب اس آدمی کی حالت کا ذکر کیا جس کا مقصود دنیا تھی اس نے اللہ تعالیٰ پر غنی کرنے اور تنگی دینے پر تہمت لگائی تھی اب اس آدمی کی حالت کا ذکر کیا جس کا نفس اللہ تعالیٰ سے مطمئن تھا اس نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کیا اور اس پر بھروسہ کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ فرشتوں کا اللہ تعالیٰ کے اولیاء کے لیے ایک قول ہے۔ نفس مطمئنہ سے مراد سکون پانے والا اور یقین رکھنے والا نفس ہے جس نے یقین کیا کہ اللہ تعالیٰ اس کا رب ہے اور اس کے سامنے تواضع کا اظہار کیا؛ یہ مجاہد اور دوسرے علماء کا قول ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد وہ نفس ہے جو اللہ تعالیٰ کے ثواب پر مطمئن ہے۔ ان سے یہ قول بھی مروی ہے: اس سے مراد نفس مؤمنہ ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا اس سے مراد ایمان اور یقین رکھنے والا نفس ہے۔ مجاہد نے کہا: اس سے مراد اللہ تعالیٰ کے فیصلہ پر راضی نفس ہے جو یہ جانتا ہے کہ جو چیز اس کے ہاتھ سے نکل چکی ہے وہ اس کو کبھی بھی نہیں پائے گا اور جس کو اس نے پایا ہے وہ اس کو چھوڑنے والا نہیں تھا۔ مقاتل نے کہا: اس سے مراد اللہ تعالیٰ کے عذاب سے امن پانے والا۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی قراءت میں ہے یا أيها النفس الآمنة المطمئنة۔ ایک قول یہ کیا گیا: اس سے مراد وہ نفس ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں جو وعدہ کیا اس پر یقین رکھتے ہوئے عمل کیا۔ ابن کیسان نے کہا: یہاں مطمئنہ سے مراد مخلص نفس ہے اس سے مراد نفس عارضہ ہے جو پلک جھپکنے کے برابر صبر نہیں کر سکتا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے مطمئن ہوتا ہے اس کی وضاحت یوں ہے: اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ (الرعد: 28) جو ایمان لائے اور ان کے دل اللہ تعالیٰ کے ذکر سے مطمئن ہو گئے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد ایمان پر مطمئن اور دوبارہ اٹھائے جانے اور ثواب کی تصدیق کرنے والا۔

ابن زید نے کہا: وہ مطمئن ہیں کیونکہ موت کے وقت دوبارہ اٹھائے جانے اور محشر کے دن انہیں جنت کی بشارت دی جائے گی۔ حضرت عبد اللہ بن بریدہ نے اپنے باپ سے روایت نقل کی کہ اس سے مراد حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا نفس ہے صحیح بات یہ

ہے کہ یہ ہر مومن، مخلص اور اطاعت شعار نفس میں حکم عام ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: اللہ تعالیٰ نے جب ارادہ کیا کہ وہ اپنے مومن بندے کی روح کو قبض کرے تو وہ نفس اللہ تعالیٰ سے مطمئن ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس نفس سے مطمئن ہوتا ہے(1)۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے کہا: جب مومن فوت ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف دو فرشتے بھیجتا ہے اور ان دونوں کے ساتھ جنت سے تحفہ بھی بھیجتا ہے دونوں اسے کہتے ہیں: اے نفس مطمئنہ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً نکلو روح و ایمان کی طرف نکلو اپنے رب کی طرف، نکلو جو تم سے راضی ہے نہ کہ تم سے ناراض ہے تو وہ کستوری کی پاکیزہ ترین خوشبو کے ساتھ نکلتا ہے جو کسی کی ناک نے روح زمین پر پائی تھی۔ حدیث کا ذکر کیا۔

سعید بن زید (جبیر) نے کہا: ایک آدمی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں یہ آیت پڑھی يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَىِٕنَّةُ ۝ حضرت ابوبکر صدیق نے عرض کی: یارسول اللہ! یہ کتنا اچھا کلام ہے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''فرشتہ تجھے بھی کہے گا: اے ابوبکر!'' (2)۔ حضرت سعید بن جبیر نے کہا: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا وصال طائف میں ہوا تو ایک ایسا پرندہ آیا جس شکل وصورت کا کبھی پرندہ نہ دیکھا گیا تھا وہ آپ کے جنازہ میں داخل ہو گیا پھر اسے باہر نکلتے ہوئے نہ دیکھا گیا جب آپ کو دفن کیا گیا تو قبر کے کنارے اسی آیت کو تلاوت کیا گیا مگر یہ معلوم نہ تھا کہ کس نے اسے تلاوت کیا ہے(3)۔

ضحاک نے یہ روایت نقل کی ہے کہ یہ آیت کریمہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی جب آپ نے بئر رومہ کو وقف کیا تھا(4)۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ حضرت خبیب بن عدی کے حق میں نازل ہوئی جنہیں اہل مکہ نے سولی پر لٹکایا تھا انہوں نے آپ کا چہرہ مدینہ کی طرف کیا تو اللہ تعالیٰ نے چہرہ مکہ مکرمہ کی طرف کر دیا۔ واللہ اعلم۔

اِلٰى رَبِّكِ سے مراد اپنے صاحب اور اپنے جسم کی طرف لوٹ جا؛ یہ حضرت ابن عباس، عکرمہ اور عطا کا قول ہے؛ طبری نے اسے پسند کیا۔ اس کی دلیل حضرت ابن عباس کی قراءت ہے فادخلی فی عبدی علی التوحید اللہ تعالیٰ قیامت کے روز حکم دے گا کہ وہ جسموں کی طرف لوٹ جائیں۔ حضرت ابن مسعود کی قراءت یہ ہے فی جسد عبدی۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: اپنے رب کے ثواب اور کرامت کی طرف لوٹ جا۔ حضرت ابو صالح نے کہا: اس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ جا۔ موت کے وقت اسے کہا جائے گا: میرے بندوں کے جسموں میں داخل ہو جاؤ۔ اس کی دلیل حضرت ابن عباس اور حضرت ابن مسعود کی قراءت ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ قیامت کے روز ہوگا؛ یہ ضحاک کا قول ہے۔ جمہور کا قول ہے کہ جنت ہی دار خلود ہے، نیک لوگوں کا مسکن ہے اور صالحین، اخیار کا گھر ہے۔ فِيْ عِبٰدِيْ سے مراد ہے میرے بندوں میں سے صالحین میں شامل ہو جاؤ جس طرح فرمایا: لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِي الصّٰلِحِيْنَ ۝ (العنکبوت) ہم انہیں ضرور صالحین میں داخل کریں گے۔ اخفش نے کہا: فِيْ عِبٰدِيْ کا معنی ہے میری جماعت میں۔ معنی ایک ہی ہے یعنی ان کی لڑی میں پرو جا اور ان کے ساتھ میری جنت میں داخل ہو جا۔

1۔ النکت والعیون، جلد 6، صفحہ 272
2۔ تفسیر طبری، جلد 24، صفحہ 396
3۔ طبرانی، الکبیر، 10581
4۔ الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 350